سیاست در تشیع

تحریر از: ڈاکٹر سید بنیاد علی آقائی

چند ایام قبل نواب فتح علی قزلباش کی پرانی حویلی میں سالانہ مجلسِ عزا منعقد ہوئی۔ ملک کے نامور ذاکرین اور جید علماء نے تفصیلِ علیؑ سے عزادارانِ حسینؑ کو روحانی توانائی بخشی اور کربلا میں امام حسینؑ کے قیام پر تاریخی، سیاسی اور علمی روشنی ڈالی۔ وقت مقررہ پر مجلس اختتام پذیر ہوئی، لنگر تقسیم کیا گیا اور عزادار و ماتمی دستے رخصت ہوگئے۔ البتہ نواب صاحب کے کشادہ مہمان خانے میں کئی اور کافی شیعہ معززین تشریف فرما تھے۔ نواب صاحب کے خدمتگار بڑا عمدہ قہوہ پیش کرنے میں مصروف تھے۔ درایں اثناء آغا ریاستی صاحب، جو دو تین دن قبل ہی ایران کے دورے سے واپس تشریف لائے تھے، داخل ہوئے سلام ودعا کے بعد ان سے نواب صاحب نے درخواست کی کہ وہ قریب والی کرسی پر بیٹھ جائیں۔ جُوں جُوں مہمان قہوے سے لطف اندوز ہو رہے تھے، ماحول میں خاموشی آنے لگی۔ اچانک نواب صاحب کی آواز آئی۔

نواب صاحب: قبلہ ریاستی صاحب سُنا ہے، بلکہ آپ کا تو آج کل تقاریر میں موضوع ہی سیاست بن گیا ہے کہیں آپ بھی ملک میں انقلابِ ایران تو درآمد نہیں کرنا چارہے ؟ آئندہ الیکشن میں آپ میرے مقابلے میں کھڑا ہونے کا پروگرام تو تشکیل نہیں فرما رہے ؟

تمام موجود مہمان ہنسنے لگے اور آغا صاحب مسکرا کر بولے

آغا صاحب: آپ بے فکر رہیں، کم از کم آپ کی سیٹ نہیں لوں گا۔ جہاں تک ایرانی انقلاب یا سوچ کی درآمد گی کا تعلق ہے تو اسمیں اہل دانش واسطے میرا پیغام ہے کہ نظریات، آئیڈیالوجی، شعور کو آپ مصنوعی سرحدوں میں زیادہ عرصہ قیدی نہیں رکھ سکتے۔ فکر، تفکر اپنی تلاش میں عالمگیر ہوا کرتے ہیں۔ کیا یورپ کی سائنس، انقلابِ فرانس وروس نے تمام اقوام عالم کو متاثر نہیں کیا؟ اور کرتے آرہے ہیں ! بجلی، ریلوے، ہوائی جہاز، سیل فون یورپ سے نکل کر تمام زمین پر نہیں پھیل گئے۔ بین الاقوامی انقلابات اپنے اثرات میں ہاتھی کی طرح ہوتے ہیں جس کو آپ چور کی طرح گھر کے غسل خانے میں نہیں پوشیدہ رکھ سکتے۔ لہذا ہر وہ شئے جو انسانی آگہی و شعور کو اجاگر کرنے میں معاون ثابت ہو، وہ نعمتِ الہیٰ اور تمام انسانیت کی مشترکہ دولت ہوتی ہے۔

نواب صاحب: اسمیں کوئی شک نہیں کہ ہر شے اپنی علت میں کسی دوسری سے جڑی ہے۔

آغا صاحب: لیکن نواب صاحب آپ کو یہ کیونکہ گمان ہوا کہ میں آپ کا سیاسی حریف بن کر اُبھر سکتا ہوں ؟

نواب صاحب: قبلہ اس میں کون سی راکٹ سائنس چاہئے۔ آپ کی گفتگو میں آپ کے عظیم سیاسی چرچے جھلک رہے ہیں۔

سبھی حاضرین نواب صاحب سمیت ہنسنے لگے

آغا صاحب: نواب صاحب کیسے ؟

نواب صاحب: کون نہیں جانتا کہ آپ اہل تشیع میں سیاسی بیداری کی ضرورت کے داعی ہیں، تاکہ وہ اپنے حقوق کی آگاہی، فراہمی اور تحفظ کیلئے، سیاسی سطح پر منظم ہو جائیں۔ کیاآپ پاکستان میں شیعہ قوم کو عزاداری برائے عزاداری اور ذاکرین کے غیر ذمہ دارانہ اور مسرور کن گرداب سے چھٹکارا دلا کر غفلت کا غلبہ ختم نہیں کرنا چاہتے؟

آغاصاحب: بے شک! ہماری مجالس کاآج دیکھ لیں المیہ ہی یہ ہے کہ ہم **"درس کربلا"** کے انقلابی مقصد کو سامنے لانے سے قاصر ہیں۔ کیا منبر سے ہمیں بتایا جاتا ہے کہ وہ کونسے معاشرتی، معاشی، فکری اور اخلاقی عوامل تھے جنہوں نے کربلا میں دو متضاد سوچوں میں خونی اور عملی تصادم کو اٹل بنا دیا؟

ہمیں اس کی بجائے کیا دیکھنے کو ملتا ہے، کہ مجلس برپا ہوئی؛ لوگوں نے اشک باری کی؛ سینہ کوبی ہوئی، فضائل اور حقائق وغیرہ شنید کئے؛ لنگر خورد و نوش فرمایا اور پھر چل دیئے کسی دوسری جگہ مجلس سننے کیلئے۔ اگر کسی نے منبر پر بیٹھ کر انقلابِ کربلا کی روشنی میں عمرانیاتی، اقتصادیاتی اور نفسیاتی مسائل کا حل تلاش کرنے کیلئےآواز بلند کی، تو فوراًاُس کو سیاسی اور فسادی کہہ کر مسترد کر دیا جاتا ہے۔ جب تک مذہب کی دنیاوی امور اور سیاست سے دوہائی رہے گی؛ لوگوں کے دل کوفیوں کی طرح حسینؑ کے ساتھ ہوں گے اور جسم ابن زیاد کے لشکر میں۔ جبکہ پیغامِ حسینیت درسِ کربلا، ظلم اور ظالم کے خلاف قیام ہے۔ اس سوچ کے بغیر ہم عزادار، اپنے مقصد سے کوُسوں دور، تماشا اور تماشائی بنے رہیں گے۔

آغاصاحب کے مدِمقابل بیٹھے، پروفیسر کاظمی صاحب جو خاموشی سے گفتگو کا مطالعہ کر رہے تھے، بولے

پروفیسر صاحب: آغاصاحب تاریخِ کربلا کی روشنی میں، جیسا کہ آپ نے اپنا نقطہ نظر بیان کیا؛ **تحریک توابین** تو بے مقصد ثابت ہو کر رہ جاتی ہے! آپ کے لحاظ سے توابین کی شہادت، امام حسینؑ کی محبت میں کسی اہمیت کی حامل، کسی اعلیٰ مقصد کی، جو سیاسی ضروریات سے بلند ہو، پاسدار نہ رہی: آپ کہنا چاہتے ہیں کہ اُس وقت شہادتِ امامؑ کے مقدمے کی پاسداری مختار ثقفی کر رہا تھا؟

آغاصاحب: آپ نے بجا سمجھا۔ دیکھیں سلیمان بن صُرد خزاعی اگر جناب مختار کی بات مان لیتے تو نہ صرف ان کے جانثاروں کی قربانی اپنا رنگ لاتی بلکہ بنوامیہ نیست و نابود ہو چکے ہوتے۔ کیونکہ کسی بھی تحریک کی کامیابی کیلئےآگ بگولہ جذبات، محض خلوص اور انفرادی قوت کافی نہیں ہوتے، بلکہ سیاسی بصیرت و مصلحت بھی اشد ضروری عناصر ہیں۔

پروفیسر صاحب: آپ کس بصیرت و مصلحت کی بات کر رہے ہیں؟ کیااس سے مراد یہ ہے کہ معصوم لوگوں کے جذبات، خلوص اور طاقت کا اپنے ذاتی اقتدار و مفاد کے حصول واسطے استحصال کرنا؟

آغاصاحب: لیکن ہماری بحث سے اس کا کیا تعلق ہو سکتا ہے؟

پروفیسر صاحب: ظاہری نہیں مگر گہرا ضرور ہے۔ آپ کو معلوم ہونا چاہیئے کہ **کسیانیہ فرقے** کا روحِ رواں کون تھا؟ چلو مان لیا کہ توابین کی غیر سیاسی حماقت نے عبداللہ بن زبیر اور آخر کار بنوامیہ کی حکومت کیلئے راہ ہموار کر دی۔ انہوں نے نادانستہ طور پر

بنی امیہ کو استحکام بخشا۔ تو کیا بنو عباس کو اہل بیتؑ کی آڑ میں تختِ خلافت عطا کرنے والے بھی توابین ہی تھے؟ نہیں جناب یہ کسیانیہ تحریک میں آپ کے ہیرو مختار کا ہی ابو مسلم خراسانی کے روپ میں کمال تھا۔ بنی امیہ تو 90 سال ظلم ڈھاتے رہے، یہ کسیانیہ تحریک کے علمبر دار تو 500 سال تک خونخوار تلوار لئے آئمہؑ اور اُن کے پیروکاروں کے سر پر کھڑے رہے۔ اگر سیاست اور اقتدار اتنے مقدس ہوتے تو امام سجادؑ مختار کی بات مان لیتے۔ صادق آلِ محمدؐ کبھی بھی ابی سلمہ کی پیش کش کے خط کو بنا کھولے جلا کر مسترد نہ کرتے!

محفل میں چہ مگوئیاں ہونے لگیں

آغا صاحب: اگر مکتب اہل بیتؑ میں سیاست اتنی ہی مکروہ ہوتی تو ابوالآئمہ حضرت علیؑ نے خلافت کیوں حاصل کی؟

پروفیسر صاحب: حاصل نہیں: قبول کی! آپؑ کو زبردستی تھمائی گئی۔ آپ ذرا طحٰہ حسین مصری کا اس سلسلے میں مطالعہ کر لیں۔ آپ خود نہج البلاغہ میں ارشاد فرماتے ہیں کہ "میرے نزدیک اس خلافت کی قدر و قیمت بکری کی ناک سے ٹپکنے والی رال سے بھی حقیر ہے"۔ آپ کو تو ہنگامی طور پر مجبور کر دیا گیا تھا کہ زمامِ حکومت اختیار کریں۔

آغا صاحب: جی میں اتفاق کرتا ہوں۔ لیکن یہ تصویر کا ایک رخ ہے اور وہ بھی وقتی۔ کیونکہ رضی شریف کے جمع کردہ اس ہی مجموعے میں آپؑ نے ایک خطبے میں فرمایا جب آپؑ کو خلافت ملی: "آج حق اپنے اصل مقام کی طرف لوٹ لایا ہے۔ میں اس خلافت کے امر میں وہی حیثیت رکھتا ہوں جو چکی کے دونوں پتھروں کے درمیان مرکزی کیل کو حاصل ہے۔" لیجئے خلافت شیعہ مذہب میں بطور سیاسی ادارہ، دینی طور پر لازم و ملزوم ہے۔ یاد رہے کہ ایسا پہلی بار نہیں ہوا۔ خود رسول اکرمؐ نے مدینہ میں ریاست کا قیام کیا۔ حضرت علیؑ کے بعد امام حسنؑ نے خلافت اختیار کی۔ سید الشہداءؑ نے یزید (لعین) کے خلاف علَم بلند کیا۔ سلسلہِ سیاست یہاں پر ختم نہیں ہو جاتا، بلکہ آٹھویں امامؑ نے باقاعدہ مامون کی ولی عہدی قبول کر لی۔ آخر میں امامِ زمانہؑ نے بھی ریاست ہی کا قیام کرنا ہے!

پروفیسر صاحب: آپ نے جو حقائق بتائے وہ بے شک ہیں۔ لیکن اِن حقائق میں آپ کو حق کا ادراک حاصل نہیں ہو سکا۔ اسی لئے آپ نے اقتدار کی سیاست کو آئمہؑ کی خلافتِ الٰہیہ پر قیاس کر کے اشد اور بنیادی غلطی کا ارتکاب کیا ہے۔

آغا صاحب: آپ کیسے کہہ سکتے ہیں؟

پروفیسر صاحب: زمین پر اللہ کے خلیفہ حضرت آدمؑ کی کون سی سیاست و اقتدار تھا؟ عیسیٰؑ ابن مریمؑ نے تو صاف صاف جدید عہد نامے میں فرمایا ہے کہ **"قیصر کو دے دو، جو اُس کا ہے"**۔ آپ کیوں خلافت الٰہیہ کی حقیقت کو خالد بن ولید، چنگیز خان اور امیر تیمور کی سیاسی حکومتوں میں تلاش کرتے ہیں؟ کیا امام باقرؑ نے اپنے بھائی زید کو سیاسی سرگرمیوں سے منع نہ فرمایا تھا؟ آئمہ اطہارؑ نے تو معاملے کو قیامِ مہدیؑ تک ملتوی کر دیا ہے۔ جہاں تک امام رضاؑ کی ولی عہدی کا سوال ہے تو آپ بخوبی آگاہ تھے کہ مامون دھوکے بازی کر رہا تھا۔

آغاصاحب: توکیاآپ نے جان بوجھ کر دھوکا کھایا۔ یاامامؑ کواپنی فہم وفراست پہ شک تھا؟

پروفیسر صاحب: یہ الزام گویامعرفت امامؑ نہ ہونے کی دلیل ہے۔اس کو سمجھنے کیلئے ہمیں **"شوریٰ عمری"** میں حضرت علیؑ کی شمولیت کو سمجھناہوگا۔جب ابن عباسؓ نے امام علیؑ کو کہاکہ یاعلیؑ شوریٰ کی ترکیب و تشکیل واضع بتارہی ہے کہ خلافت آپؑ کیلئے نہیں،توکیوں آپؑ اس کا حصہ بن گئے؟جواب دیا:"اچھی طرح جانتاہوں۔ لیکن میری شمولیت اور مجھے اس کارکن بناکر، انہوں نے ہمیشہ کیلئے اپنا جھوٹ ظاہر کردیاجوکل تک کہتے پھرتے تھے کہ نبوت اور خلافت ایک ہی گھر میں اکھٹے نہیں ہو سکتے"۔اسی طرح امام رضاؑ نے مامون کے ہاتھوں اہلبیتؑ کا احقاق اور عباسیہ کا ابطال کروادیا۔کیا صلح حسنؑ کرکے معاویے نے اپنے ہی ہاتھوں سے خلافت علیؑ و حسنؑ کے مستند و برحق ہونے پر دستخط نہ کردئے ظاہری اقتدار کے شوق اور جوش میں؟

آغاصاحب: اس طرح توآپ نے خود ہی تسلیم وثابت کردیاکہ خلافت وامامت شیعیت کی روحِ السلام میں لازم وملزوم ہے۔

پروفیسر صاحب: "آپ کیوں خلافت کواقتدار وسیاست کامترادف بنابیٹھے ہیں"؟میں نے کب کہاکہ خلافت کامطلب حکومت کے گھوڑے پر سوار ہوناہے؟خلافت کاعمری یاماموٗنی مفہوم کیونکر خلافتِ الٰہیہ کو سمجھنے والے کیلئے حجت ہوگا؟خلافت الٰہیہ کی حقیقت توعلمی واخلاقی ہوتی ہے،جبکہ اقتدار کی حیثیت واہمیت فقط ضمنی اور ثانوی ہے،لازم وملزوم ہوتی توآج مہدیؑ برحق پوری دنیاپرامریکہ اور برطانیہ کی طرح حکمرانی فرمارہے ہوتے۔خود حضرت علیؑ کے دور میں آپ کی حکومت مسلم دنیامیں مکمل نہیں ہوپائی۔یہ اقتدار اور خلافت کودین میں ایک جانناالہسنت کی رائے ہے۔چنانچہ شیعہ راہنماوٗں کوسیاسی دھینگامشتی میں اپنی توانا صلاحیتوں کواجاڑنے کی بجائے،اپنی قوم کی اخلاقی،معاشرتی،معاشی،تعلیمی اصلاح پر زور دیناچاہیئے۔اور صبر وضبط سے ظہور امامؑ تک غیر سیاسی اصلاح کاری اور انسانی بہبود کیلئے کوشاں رہناچاہیئے۔

آغاصاحب: مجھے یہ خاموشی والا فلسفہ شیعیت کم اور ہندویابُدھ مت کامزاج زیادہ معلوم ہوتاہے۔جبکہ اسلام اور شیعیت قیام اور حق کے پرچار کے داعی ہیں۔

پروفیسر صاحب: خاموشی میں ایک روحانی طاقت ہوتی ہے۔ایسی طاقت جو تلواروں کو بھی بے بس بنادیتی ہے۔عیسیٰؑ کے پاس کوئی سی تلوار تھی جوساری رومن سلطنت پر حاوی ہوگئی؟اسی طرح بدھ مت بناسیاست کے انڈیا،وسط ایشیاء اور چین وجاپان کے روحانی اور تہذیبی اُفق پر چھاگیا۔اشوکانے بدھ مت نہیں بنایا،بدھ مت نے اشوکا بنایا۔بِنااقتدار و تلوار خاموشی، صلح اور صبر کس طرح انسانوں،معاشروں اور تہذیبوں کوجیت جاتے ہیں،اس کی بہترین مثالیں ہمیں عیسیٰؑ اور بدھ مت میں نظرآتی ہیں۔چنانچہ خاموشی،یعنیQuietism کانظریہ تشیع تاظہور مہدیؑ ایک Practical Reality ہے کوئی افسانہ یاخواب نہیں۔ اگر کوئی اب بھی نہیں مانتاتوپھراللہ بھی زبردستی نہیں کرتا،نہ مانو۔

آغاصاحب: یہ خاموش Quietism حقیقت کواتنی آسانی سے ہضم نہیں کرسکتی۔کائنات،زندگی،وجود،معاشرہ،تہذیب، انسان،سب علتوں میں مربوط،اپنی اپنی جگہ قواعد وقوانین کاحصہ اور آماجگاہ ہیں۔ہم کسی خلاکے باسی نہیں۔نہ فلسفہ انتظار کا

مطلب ہے کہ ہم غیر فطری امن وامان کی خیالی دنیا میں، شعور کی سوئیاں ساقط کر کے ظہورِ امامؑ میں **سوئے ہوئے محل** کی طرح منجمد ہو جائیں۔ ہم الحمدُللہ فکری طور پر امامؑ کی نیابت میں مجتہدین کی بدولت زندہ وجاوید قوم ہیں۔ ہم زندہ اجتہاد کی وجہ سے Challenge and Response کے فلسفہ پر عمل پیرا اور متحرک ہیں۔ اگر ہم نظریہ خاموشی، Theory of Quietism پر انحصار کرتے تو شیعی قوم کب کی سیاسی جمود کا شکار ہو کر تاریخی عجائب خانے میں یونانی، ایرانی مذاہب کی طرح ناپید ہو گئی ہوتی۔ چنانچہ یہ مجتہدین کے زندہ اجتہاد سے جنم لینے والی سیاسی حرکت Activisim ہے، جس نے Quietism کا نشہ قوم میں سرایت نہیں ہونے دیا۔

پروفیسر صاحب: یہ جو آپ Activisim میں، غیبِ امامؑ کے بعد اجتہاد کی نعمت کا ذکر فرما رہے ہیں، اس کا شیعیت اور آئمہؑ اطہار کے دیئے گئے کسی اجازت نامے سے کوئی واسطہ نہیں۔ تاریخ کا طالبعلم جانتا ہے کہ یہ Political Activisim صاف صاف **"صفوی بدعت"** تھی جس پر اجتہاداتی نعمت کا رنگ روغن چڑھا کر پیش کیا جا رہا ہے۔ کبھی موقعہ ملے تو انٹرنیٹ پر **"شیعیت کی اجتہاداتی تحریف"** کے عنوان سے مضمون کا مطالعہ کیجئے گا۔ چنانچہ آپ شاہی ملاؤں کی سیاست کا آئمہؑ کے نام پر اجرا کر کے تاریخی بد دیانتی کے مرتکب نہ ہوں۔

(صفوی بدعت اور Activisim کے الفاظ نے سامعین میں حیرانی کی لہر دوڑا دی۔ آغا صاحب کے چہرے سے کچھ پشیمانی جھانکنے لگی۔ دوستوں میں بیٹھے درمیان سے ڈاکٹر علوی صاحب بولے)

ڈاکٹر صاحب: کاظمی صاحب برائے کرم **"صفوی بدعت"** پر ذرا کھل کر ضیاء پاشی کریں تاکہ شیعہ سیاسی Activisim کے پیچھے کارفرما تاریخی حقائق سامنے آئیں۔

پروفیسر صاحب: صفویوں سے قبل جب سے غیبت تامہ کا آغاز ہوا، شیعہ قوم خاموشی Quietism اختیار کر چکی تھی۔ 1501ء میں جب صفوی اُٹھے تو ایران کے دائیں طرف اُزبک اور دوسری طرف عثمانی تھے۔ دونوں نسلی ترک اور کٹر سُنّی تھے۔ صفویوں کا اقتدار سے پہلے آبائی علاقے اردبیل میں صوفی سلسلہ تھا۔ سلطنت کے قیام سے کئی دہائیاں پہلے ہی صفوی باقاعدہ سیاسی روش اختیار کر چکے تھے۔ لیکن یہ سیاسی کھیل آذر بائیجان تک محدود تھا۔ آذر بائیجان اور اس سے ملحق عثمانیہ علاقوں میں طاقت کا کھیل اور توازن دو بڑے ترک قبائل Qara-kuyunlu اور Aq-kuyunlu کے مابین تھا۔ صفوی رُجحان اور ہمدردی **"سفید بھیڑ"** نامی قبیلے Aq-kuyunlu سے تھی۔ شاہ اسماعیل کا باپ، دادا بھی اسی سیاسی جنگ وجدل میں **"کالی بھیڑ"** نامی قبیلے Qara-kuyunlu کے ہاتھوں مارے گئے۔ جب Aq-kuyunlu کی طاقت شاہ اسماعیل کے باپ تلے جمع ہوئی تو عثمانیہ سلطنت کے خلاف صفویوں کو سیاسی سربلندی اور انتقام کا موقعہ ہاتھ آگیا۔ ایرانی خود تقسیم اور محکوم تھے مختلف علاقائی حکومتوں میں۔ اب شاہ اسماعیل کی قیادت میں ایرانی ریاستوں کو فتح اور اکٹھا کر کے خود مختار ملک بنانے کی جنگی مہم

شروع ہو گئی۔ سُنّی اُزبک اور عثمانیوں کے خلاف ایرانی تشخص کو قومی، سرحدی اور سیاسی اختیار تو مل گیا۔ لیکن ضرورت تھی کہ اُس سیاسی موقف کو اُصولی طور پر قوم کی روح بنایا جائے۔ یہ کام مذہب ہی کر سکتا تھا۔ چنانچہ سُنّی ترکوں کے مذہبی موقف کے خلاف ایران کی خود مختار روح نے شہادت حسینؑ میں اہلبیتؑ کے موقف کو تاریخ، قرآن اور حدیث میں اپنا لاثانی ضامن بنا لیا۔ اس **"روحانی کیمیا"** کیلئے جبلِ عامل، بحرین اور عراق سے جید شیعہ مولوی درآمد کئے گئے۔ ایرانی قوم کے صفوی بانیوں کو اپنے اقتدار کیلئے **"آفاقی حقِ حکمرانی"** کی سند چاہئے تھی۔ اس کیلئے مولوی حضرات حاضر تھے۔ خود وہ نائبِ امامؑ بن گئے اور صفوی بادشاہ کے ماتھے پر **"آفاقی مہر"** لگا دی۔ بدلے میں فتوے فروش درآمد شدہ علماء کو قاضی ابو یوسف کی طرح دولت، جاگریں، اعلیٰ درباری عہدے اور مضبوط شاہی اور خاندانی رشتے مل گئے۔ چنانچہ Ceasar اور Pope والا سلسلہ قائم ہو گیا۔ کل تک جو مولوی خوف، بھوک اور گمنامی میں جبلِ عامل کی پہاڑیوں میں گھومتا پھرتا تھا! آج اصفہان کے محلوں، باغات اور سونے کے انباروں میں دوڑنے لگا۔ چنانچہ عالم نے **"روحانی صبر"** بالا طاق رکھا اور عباء قبا اوڑھ کر مولوی صاحب **"دنیاوی جُہد"** میں سرپٹ بھاگنے لگے۔ آج کا ایرانی ملاّئیت صفوی بیج کا تناور درخت ہے۔ اور آغا صاحب جس سیاست، اقتدار اور حکومت کے نغمے بُول رہے ہیں؛ درحقیقت اہلسُنت کا ہی فلسفہ اجتہاد و خلافت ہے۔

ڈاکٹر صاحب: لیکن صفویوں سے پہلے فاطمی، قرامطی، اور آل بالویہ بھی تو اپنی اپنی شیعہ حکومتوں میں Political Activisim پریکٹس کر رہے تھے۔

پروفیسر صاحب: ڈاکٹر صاحب اِن میں ایک بھی اثنا عشری نہ تھا پہلے دو اوّل الذکر اسماعیلی تھے۔ آخر الذکر، زیدی۔

ڈاکٹر صاحب: کاظمی صاحب میں نے آپ کی آغا صاحب سے اس ساری گفتگو کے دوران یہ امر نہایت واضع پایا ہے کہ ہم آئمہ حاضرین کے ادوار میں سیاسی طور پر Quietism اور Activisim میں کسی ایک کو حتمی طور پر میّعار نہیں ٹھہرا سکتے۔ اسی لئے امام صادقؑ کیلئے بھی Quietism کو کلی طور پر منسوب کرنا جلد بازی ہی نہیں بلکہ ناانصافی ہو گی۔

پروفیسر صاحب: آپ یہ کس بنیاد پر کہہ رہے ہیں؟

ڈاکٹر صاحب: آپ نے ابی سلمہ کے واقعہ پر غور فرمایا کہ امامؑ نے کیوں خط جلا دیا؟ کیونکہ آپ کے کسی صحابی نے پوچھا آپؑ مولا کیوں تلوار نہیں اٹھاتے، جبکہ ہر طرف شیعان کی ایک کثیر تعداد آپ کے اشارے کی منتظر ہے۔ آپؑ نے جواب دیا: **"اگر میرے پاس سات لائق اصحاب ہوں تو میں آج تلوار اُٹھا لیتا ہوں"۔**

پروفیسر صاحب: یہ روایت میرے علم میں نہ تھی۔ لیکن تعجّب ہے، کیونکہ آپ نے ہمیشہ تقیّہ اور خاموشی کو دین کہا

ڈاکٹر صاحب: یہ ہوتا آیا ہے۔ جب حضرت علیؑ سے پوچھا کہ اُنہوں نے سقیفے کی سازش پر اپنے حق کیلئے تلوار کیوں نہ اٹھائی، تو کہنے لگے: **"تلوار کیونکر اُٹھا سکتا تھا۔ گیارہ نفوس کے سواء، سارے تو کافر ہو گئے تھے"۔** کیا اُحد والے دِن سارے دین سے اُلٹے پاؤں نہ پھیر گئے؟ ایک بار یہی سوال بی بی فاطمہؑ نے پوچھا تو فرمایا: **"فاطمہؑ اگر میں نے آج تلوار اُٹھا لی تو تم یہ اذان کی آواز**

پھر دوبارہ نہ سُن پاؤ گی"۔ اچھا 23 سالوں کی طویل خاموشی کے بعد ہم پھر اسد اللہ کو جمل، صفین اور نہروان کے میدانوں میں Active دیکھتے ہیں۔ اسی طرح امام حسنؑ نے آخر وقت تک جنگ کی۔ آپ نے حکومت کی کشتی سے چھلانگ اُس وقت لگائی جب آپ کو یقین ہو گیا کہ اہلبیتؑ اور شیعیانِ علیؑ کیلئے خطرہ اٹل ہو گیا تھا۔ اب آپ فیصلہ کریں کہ اگر امام زمانہؑ کے باپ، دادا کو مؤثر طاقت میسر ہو پاتی تو اُنہوں نے Quietism کا سہارا لینا تھا؟

پروفیسر صاحب: آپ بجا فرما رہے ہیں کہ اگر حالات موزوں ہوتے تو آئمہؑ نے **"میدانِ عمل"** سے کیوں روگردانی کرنا تھی!

ڈاکٹر صاحب: جی ہاں ایسا ہی ہے۔ کیونکہ خاموشی اور حرکت کے مابین ہم دیکھ چکے ہیں کہ ان مثالوں میں لکیر حتمی نہیں بلکہ مشروط ہے۔ دونوں کا آپس میں تعلق Contradictory نہیں بلکہ Complementary ہے۔ امام حسینؑ بھی تو خاموش تھے، لیکن وقت آنے پر متحرک ہو گئے۔ چنانچہ تشیع میں سیاست کی حقیقت **"فوٹانی"** ہے۔ جس طرح Nature of Photon دو طرح سے Behave کرتی ہے، کبھی مادّی، کبھی غیر مادّی۔ آپ پانی کی فطرت کو دیکھ لیں جو H_2O ہوتا ہے۔ کس طرح وہ Thermal Conditions کی تبدیلی سے آبی بخارات اور کبھی ٹھوس برف بن جاتا ہے۔ آپ ذرا امامؑ زمانہ کے آخری خط مبارک میں نہایت باریک جملہ زیرِ غور لائیں کہ **"اب یہ امر تا قیامت کھلا چھوڑ دو"۔**

پروفیسر صاحب: کیا مراد ہے یہاں **"امر"** سے؟

ڈاکٹر صاحب: **"امر"** جو **"نہی"** کا اُلٹ ہوتا ہے۔ یعنی کوئی چاہے عدل کرلے چاہے ظلم۔ اللہ نے انسان کو عقل عطا فرمائی ہے۔ انسان کو عقلی اختیار دیا ہے کہ وہ حالات کی مناسبت سے فیصلہ کر لے کہ اُسے کب اور کہاں خاموش رہنا ہے یا متحرک ہونا ہے۔ امامؑ نے یہاں عقل کیلئے Quietism نہ ہی Activisim کو معیار بنایا ہے۔ آپ نے عقل کی زینت عدل کے میّعار کو قرار دیا ہے۔ عدل کے مطابق عقل کی خاموشی اور حرکت کو ہی مولا کائنات نے حقیقی شجاعت قرار دیا ہے۔

آغا صاحب: ماشاءاللہ! یہ ہی بات قبلہ کاظمی صاحب کو باور کرانا مقصود تھا کہ امام زمانہؑ کی غیبتِ کبریٰ کا دور سیاسی خاموشی کے مترادف نہیں بلکہ ہم میدانِ سیاست میں عمل کیلئے آزاد کر دیئے گئے ہیں۔

پروفیسر صاحب: آغا ریاستی صاحب آپ کہنا چاہتے ہیں کہ صفوی راج سے پہلے شیعہ قوم 500 سال تک جہالت اور جہلیت میں لت پت تھی؟

ڈاکٹر صاحب: مجھے ڈر ہے کہ میں اپنا مطلب ٹھیک طور پر سمجھا نہیں پایا، یا آپ سمجھ نہیں پا رہے۔ دیکھیں خاموشی یا حرکت تو عقل کیلئے نظریہ ضرورت کے تحت، قیام عدل، نہ کہ کسی ریاست کیلئے، ذریعہ یا آلہ ہیں۔

آغا صاحب: لیکن تقیہ تو مجبوری کے تحت تھا۔ دین کا اصل مقصد تو عملی سیاست ہے۔

ڈاکٹر صاحب: ہم یہ گذشتہ بحث میں اچھی طرح دیکھ چکے ہیں کہ سیاست علوی میں جتنا کردار Quietism کا ہے اِتنا ہی Activisim کا۔ آغا صاحب آپ کیوں سیاست کو ریاست بنا رہے ہیں؟ ریاست تو فقط سیاسی علامت ہے۔ زیادہ سے زیادہ آلاتی

کہہ لیں۔ ریاست برائے ریاست کا تو دین میں تصّور ہی نہیں۔ دین کا مطلب ریاست سازی ہے کیا؟ Quietism بھی عین سیاست ہے۔ اسلام میں کسی ریاست، کسی اقتدار کا تصّور ہے ہی نہیں۔ اسلام میں تو خلافت کا الوہی نظریہ ہے۔ آدمؑ کو خلافت علم و معرفت کے عوض عطا ہوئی۔ آدمؑ کے پاس عقل تھی؛ اور عقل نے عدل کیا: اسماء کی پہچان کی۔ چنانچہ یہ عقل کا معرفت کے مطابق معاملات میں عدل برتنا، خلافتِ الٰہیہ ہے۔ **ریاست یا اقتدار تو علامت ہے اس سماجی عقل کی، جس کو سیاست کہتے ہیں** کہ وہ معاشرے کی ایسی ترتیب کرے خاموش رہ کر یا عملی طور پر، جس میں عدل کا استحکام، ظلم کے خلاف قیام فرما ہو۔ علاماتی ریاست کی حیثیت زیادہ سے زیادہ آلاتی ہو سکتی ہے۔

آغا صاحب: اس طرح تو ریاست یا سیاست کی از خود کوئی دینی حیثیت نہ ہوئی۔

ڈاکٹر صاحب: جی ہاں۔ اصل مقصد عقل کیلئے قیام عدل ہے۔ تاکہ معاشرہ تخریب کاریوں، ظلم، تباہ کن عوامل سے محفوظ رہ پائے۔ عقل، شعور، آگہی کیلئے مؤثر ماحول و فضا کی کاشت کاری ہو سکے۔ چنانچہ سیاست کا ہونا، نہ ہونا ایک بے بنیاد موضوع ہے۔ اگر ہم شیعی روح السلام پر بحث کرنا چاہتے ہیں۔ کیونکہ اصل مقدمہ یہ ہے کہ سیاست کی نوعیت کیا ہو؟ ظلم کی سیاست یا عدل کی؟ علوی یا صفوی؟ حسینیؑ یا یزیدی؟ سقیفے والوں کی، یا غدیر والی؟ معاویے کی یا حسنؑ کی۔

آغا صاحب: یہ امرِ حق ہے کہ سیاست ایک سماجی عدل کے حصول کا نام ہے؛ اس کا اقتدار کے حصول سے کوئی اُصولی واسطہ نہیں۔ اس لئے سیاست، نہ خاموشی، نہ حرکت کی پابند ہے۔

ڈاکٹر صاحب: جی ہاں۔

پروفیسر صاحب: اس میں کوئی شک و شبہ نہیں رہ جاتا کہ سیاست وسیلے Means کا نام ہے، جبکہ ریاست و اقتدار فقط علامت۔ ہمیں وسیلے کو مقصد، یعنی End نہیں بنا لینا چاہئے۔ کسی بھی علامت کو، خواہ وہ سیاسی ہی کیوں نہ ہو، وہ Quietism کی صورت میں پائی جائے یا Activisim کی، حقیقت کی جگہ معیار جان لینا بُت پرستی Idolization ہے۔

ڈاکٹر صاحب: بالکل صحیح فرمایا آپ دونوں حضرات نے، کہ ریاست، سیاست کیلئے کوئی میعار نہیں، بلکہ ہم لوگوں نے اس کا توتم، Totem بنا لیا ہے اور خلافت کو ریاست کہنا، توتم پرستی، Totemism ہے۔

24-05-2019

- شیعت کی اجتہاداتی تحریف(The Juristic Distortion of Shi'ism)
- نبی کا والد آزر نہیں ہوتا(The Monotheist Father of Abraham)
- پاکستانی شیعہ قوم میں ڈاکٹر علی شریعتی کی آئیڈیالوجی کی ضرورت(Ali Shariati in Pakistan)
- السلام کے تکوینی نظام کی ناجائز تشریح پر تنقید (The Critique of pure Nihilism in Islamic Cosmology)